## تعارف وتبصرہ

# بیسویں صدی کے نصف اول کی
# عربی خودنوشت سوانح عمریاں

ڈاکٹر مسعود الرحمن خاں ندوی

اس زمانہ کی خودنوشت سوانح عمریوں پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مضمون مواد، ناقدانہ تحلیل وتجزیہ، منطقی اندازفکر اور شگفتہ اسلوب بیان کے لحاظ سے مغربی ادبار ومفکرین کی لکھی ہوئی معاصر آپ بیتیوں کے ہم پلہ اور عربی ادب کی گذشتہ زمانوں میں لکھی ہوئی آپ بیتیوں سے یقیناً زیادہ جامع، مکمل، دلچسپ اور شگفتہ ہیں۔ ان آپ بیتیوں کا دائرہ مشہور عربی مثل "الولد سرابیہ" (لڑکا اپنے باپ کا رازداں ہے) سے زیادہ پھیلا ہوا اور کشادہ ہونے کی وجہ سے ان پر موجودہ زمانہ کے اجتماعی فلسفہ کا مسلمہ اصول "الانسان ابن بیئتہ" (انسان اپنے ماحول کا بیٹا ہے) زیادہ صادق آتا ہے، جس کی دکالت مشہور عرب مورخ عبدالرحمن بن خلدون (۷۳۲-۸۰۸ھ/۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) بھی پہلے کر چکے ہیں۔ اس لئے ان آپ بیتیوں کے پس منظر کا تانا بانا صرف خاندانی حالات یا آباء اجداد کے تذکرہ سے نہیں بنا جاتا، جیسا کہ گذشتہ زمانوں کی آپ بیتیوں میں عام رواج تھا، بلکہ ان کے پس منظر کا جال اردگرد کے ماحول ومعاشرہ اور اس میں رواں دواں علمی، ادبی، فکری، ثقافتی، سیاسی اور اجتماعی عوامل ورجحانات کے تحلیل وتجزیہ، اور متبادل تاثیر وتاثر کے جائزہ سے مل کر تیار ہوتا ہے، اور یہ یقیناً ان آپ بیتیوں کی خوبی ہے جو ان کے مولفین کی وسعت فکر، جدید علوم وفنون سے واقفیت، انسانی نفسیات کو سمجھنے اور اس کی ترجمانی کی صلاحیت، اور تصنیف و تالیف کے جدید اصولوں کے اخذ واستفادہ پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان میں بعض

بعض آپ بیتیوں کا کمزور پہلو یہ ہے کہ ان کے مؤلفین کی نگاہیں مغربی تہذیب و تمدن کی جگمگاہٹ سے خیرہ اور ہر میدان میں مغرب کی پیش قدمیوں سے مسحور، اپنے ماضی سے غیر مطمئن، اپنے حال سے مایوس اور بہتر مستقبل کی تلاش و جستجو میں بھٹکتی ہوئی جھنجھلاہٹ کا شکار معلوم ہوتی ہیں۔ اپنے ماحول پر ان کی ناقدانہ نظر اکثر جارحانہ بلکہ باغیانہ پڑی ہے، خود شکستگی کے احساس کو چھپانے کی اُدھیڑ بن میں اکثر ان کا غصہ صرف اپنے ماحول و معاشرہ کی برائیوں کو زیادہ نمایاں کر کے دکھانے ہی میں نہیں بلکہ اپنی قومی، ملی تاریخ و تہذیب کے بخیئے ادھیڑنے میں صرف ہوا ہے، اور پھر یہ احساس متعدی مرض کی طرح آنے والی نسلوں میں زہر ہلاہل کی طرح سرایت کرتا رہا۔

اس زمانہ کی جدید آپ بیتیوں میں سب سے پہلے ہم معروف صاحب طرز نابینا مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین (۱۸۸۹ - ۱۹۷۳ء) کی مشہور آپ بیتی 'الایام' (یا دہائے ایام) کا تذکرہ کر سکتے ہیں، اس کتاب کا پہلا حصہ[۱] مؤلف کے بچپنے کے تقریباً تیرہ[۱۱] سال (۱۸۸۹ - ۱۹۰۲ء) کے حالات زندگی پر مشتمل ہے، جس میں خاص طور پر طفولت میں نابینا ہو جانے کی وجہ سے، نابینا بچہ کے ذاتی احساسات، جذبات و نفسیات کی دلکش تصویر کھینچی گئی ہے، اس بچہ کا نشوونما، آہستہ آہستہ خارجی دنیا سے سمجھوتہ، ابتدائی تعلیم و تربیت، ازہر میں تعلیم کے لئے بھائی کے ساتھ سفر، قاہرہ اور دیگر موضوعات اپنی دل نشین تصویر کشی، عکاسی اور انداز بیان کے لحاظ سے لاجواب شہ پارے کی حیثیت رکھتے ہیں، اور آخر میں مولف نے اپنی بیٹی (جس کی عمر اس وقت نو سال تھی) کو مخاطب کرتے ہوئے ہی تھیں اپنی فقیرانہ اور مایوسانہ زندگی کا موازنہ بیٹی کی خوش حال اور عیش و آرام سے مالا مال زندگی سے کیا ہے، اور اس کا سہرا اس کی فرانسیسی ماں کے سر باندھا ہے۔

---

[۱] طبع اوّل، قاہرہ ۱۹۲۶ء

اس کتاب کا دوسرا حصہ[1] بھی تقریباً تیرہ سال (۱۹۰۲ - ۱۹۱۵ء) کے حالات زندگی پر مشتمل ہے، جو ان کی شخصیت کے بننے یا بگڑنے کا حقیقی زمانہ ہے اس عرصہ میں انھوں نے ازہر میں تعلیم حاصل کی، اور پھر ۱۹۰۸ء سے ازہر کے ساتھ ساتھ قاہرہ یونیورسٹی میں جدید علوم سے بہرہ ور ہوئے، اور بیرونی اساتذہ سے فیض حاصل کیا، اس حصہ کے آخر میں انھوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا ہے، جو اس وقت قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد باپ کی طرح اعلیٰ تعلیم کے لئے عازم سفر تھا، تاکہ وہ باپ کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکے۔

اس کتاب کے دو حصوں کے علاوہ ان کے سفر فرانس (۱۹۱۵ - ۱۹۱۹ء) کی روداد اس صدی کے چھٹے دہے کے اواخر میں بعض مصری جرائد میں ڈائری یا روزنامچہ کی شکل میں شائع ہوئی[2]۔

طٰہٰ حسین کی یہ آپ بیتی اور ان کی ڈائری کے مطبوعہ اوراق اگرچہ ان کی طویل چوراسی[84] سالہ زندگی کے فقط ابتدائی تیس سال (۱۸۸۹ - ۱۹۱۹ء) کی خود نوشت سرگزشت ہے، لیکن اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ یہ ان کی باغیانہ شخصیت کے اہم ترین دنوں کی علمی، فکری، ادبی، ثقافتی، اجتماعی اور تاریخی داستان ہے، جس میں بیسویں صدی کی ابتدا میں مصر کی دیہاتی اور شہری زندگی کا موازنہ بھی ہے، اور ابتدائی مدارس اور ازہر کے قدیم طرز تعلیم، اور یونیورسٹیوں کی جدید طرز تعلیم کا مقابلہ بھی ہے، مصری قدیم علماء، شیوخ اور صوفیاء کے حلقے درس ذکر و فکر کی جھلکیاں ہیں تو روشن خیال مصری علماء، ادباء، مفکرین اور مستشرقین کی مجالس علم و فضل کے چرچے بھی، اور عربی اسلامی تاریخ و تہذیب کے اس عظیم سانحہ کی مکمل عکاسی بھی ہے، جس کو ہم جدید کے

---

[1] طبع اول، قاہرہ ۱۹۳۹ء [2] الترجمۃ الشخصیۃ، سلسلۃ فنون الادب العربي، الفن القصصي نمبر ۱۳، دار المعارف، قاہرہ ۱۹۵۶ء ص ۱۱۴

کے سامنے قدیم اور مغرب کے سامنے مشرق کی مکمل خودسپردگی کی المناک بلکہ شرمناک داستان سے تعبیر کرتے ہیں، مولف کی شیریں بیانی نے اس آپ بیتی کو اگرچہ ایک دلچسپ جیتے جاگتے قصہ کی جاوداں شکل عطا کردی ہے، لیکن وہ خودشکستگی کی اس ذہنیت کو بالکل نہیں چھپا سکا ہے، جو اس کی رگ وپے میں روح کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے، اور جس کی طرف ہم نے تمہید میں اشارہ کیا ہے۔

اسی طرز کی دوسری خود نوشت سوانح عمری مصری قبطی ادیب وصحافی سلامت موسیٰ (۱۸۸۸ - ۱۹۵۸ء) کی لکھی ہوئی ہے، جو تربیۃ سلامۃ موسی (سلامہ موسی کی تعلیم و تربیت) کے نام سے شائع ہوئی ابتدا میں یہ مولف کی زندگی کے ساٹھ سال (۱۸۸۸ - ۱۹۴۶ء) کے حالات پر مشتمل تھی[۱]۔ بعد میں انھوں نے اس میں اپنی زندگی کے آخری دس سالوں (۴۷ - ۱۹۵۷ء) کے احوال ضمیمہ کے طور پر شامل کردیئے[۲] جس کے ایک سال کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح یہ کتاب ان کی ستر سالہ زندگی کی خودنوشت مکمل سوانح عمری بن گئی ہے، یہ آپ بیتی مولف کے ذاتی و خاندانی حالات، نشوونما، تعلیم وتربیت، بیرونی سفر اور عملی سرگرمیوں کی صرف ایک معصومانہ کہانی نہیں ہے، بلکہ ایک بامقصد سیاسی، ادبی، ثقافتی، فکری اور اجتماعی جدوجہد کی داستان ہے، جس کا بنیادی مقصد غیر معروضی طریقہ سے حقائق کو مسخ کرکے نوجوان ذہنوں کو مسموم و گمراہ کرنا ہے، اور یہ اس شخص سے بعید بھی نہیں ہے، جس کی پوری زندگی مصری قومیت کے نام پر فرقہ واریت کو ہوا دینے، تجدد پسندی اور روشن خیالی کے نام پر مغربیت کی وکالت، کمیونزم اور سوشلزم کے نام پر بیرونی غلامی، سیکولرزم اور اجتماعی اصلاحات کے نام پر طائفی مصالح کے لئے جنگ، اور عربی زبان میں نام نہاد اصلاحات کے نام پر مسلمانوں کے اسلامی اتحاد کی مضبوط کڑی اور عربوں کے بکھرے ہوئے شیرازہ سے

---

[۱] طبع اول، قاہرہ ۱۹۴۷ء     [۲] طبع دوم، قاہرہ ۱۹۵۸ء

ان کے اتحاد کا آخری سہارا چھین لینے کی انتھک کوششوں میں گذری۔

اس کتاب میں بھی مؤلف اپنے اس واضح اولین مقصد، اور اس کو حاصل کرنے کے لئے غیر معروضی طریقۂ بحث اختیار کرنے کے جذبہ کو چھپا نہیں سکا ہے چنانچہ وہ اس کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہے:

''میں نے اس آپ بیتی میں صرف اپنی زندگی بیان نہیں کی ہے، بلکہ اس سرگذشت حیات اور میری خود ساختہ و پرداختہ شخصیت کی تکوین کے ذکر کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں اپنے اس دور کو واضح کرنا چاہتا ہوں، جو میں نے ہمارے حال کو ماضی کے تاریک زمانوں سے ملانے والے پلوں کو تہس نہس کرنے، اور روشن ترقی اور جرأت مندانہ خواب سے بھرپور (آئندہ) کل (یعنی مستقبل) کی تاریخ کو (گذرے ہوئے) کل (یعنی ماضی) کی ظلم، فقر، جہالت اور بزدلی سے بھری ہوئی تاریک تاریخ سے ملانے کی کوششوں میں انجام دیا۔ یہ اس زمانہ کی تاریخ ہے، جس میں میں جیا اور یہ اس نسل کی تاریخ ہے، جس کا میں ایک فرد تھا۔

''اگرچہ میں مصر کی تاریخ اپنی زندگی کی نمایاں شخصیات کے ذکر کے ساتھ بیان کروں گا، لیکن میرا یہ بیان معروضی نہ ہوگا، اس لئے مجھے تاریخ میں جاری وساری حقیقت کے وسیع میدان کے بجائے بنیادی عوامل کو قریب سے دیکھنے کی کوشش میں خود اپنے ذہنی خوردبین کے سہارے دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ میرا اولین مقصد اپنی زندگی کی کہانی سنانا ہے جب کہ صحیح تاریخ کو میں نے دوسرا درجہ دیا ہے''[1]

---

[1] اصل عربی کتاب نہ ملنے کی وجہ سے اس اقتباس کا ترجمہ اس کے انگریزی ترجمہ سے کیا گیا THE EDUCATION OF SALAMA MUSA تراجم L. O. SCHUMAN، مطبوعہ E. J. BRILL, LEIDEN ۱۹۶۱ء ص ۲

اس اقتباس کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ مولف کی کتاب کا مقصد واضح طور پر سامنے آجاتا ہے جو اس کی زندگی کی تمام جد وجہد کا مقصد بھی ہے، "یعنی حال کو اس ماضی سے کاٹ کر جس سے اس کو شدید بغض و نفرت ہے مستقبل کی تعمیر" بلکہ وہ اس مہم جوئی میں کہانی سنانے کے نام پر "تاریخ میں جاری و ساری حقیقت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے خود ساختہ ذہنی خوردبین سے گھڑے ہوئے ان بنیادی عوامل کا سہارا لینے سے بھی نہیں چوکتا جو صرف اس کے اپنے خیالات و افکار اور میلانات و رجانات سے میل کھاتے ہیں، اور اس کھلی دھاندلی کے باوجود اس کتاب کا انگریز مترجم اپنے پیشرو مستشرقین کی طرح ان "من گھڑت بنیادی عوامل" کی روشنی میں تیار کردہ اس خود نوشت سوانح عمری کے مولف کی نہ صرف "دانشورانہ دیانت" کا قائل نظر آتا ہے بلکہ وہ اس ذاتی سیرت کو

"قومیت، اقلیت کے مقام و مرتبہ، غیر جانبداری، کمیونزم، اور مصری دانشوروں کی مغرب و مشرق میں جدید اقدار و دسائل کی تلاش جیسے مختلف فیہ سیاسی مسائل میں عرب ذہنیت کے پچاس سالہ ارتقاء کے معتبر نقطۂ نظر"[1]

کی حیثیت سے پیش کر کے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتا ہے کہ گویا یہ کتاب تمام "عربوں کے پچاس سالہ فکری ارتقاء" کا نچوڑ، اور ان کے خیالات و افکار کی ترجمان اور نمائندہ ہے حالانکہ حقیقتاً وہ صرف ایک طائفی لیڈر کے "متعصبانہ جانبدارانہ اور غیر علمی" خیالات کی یک رخی تصویر ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس ذاتی سوانح کے "غیر علمی، غیر مدلل اور ذاتی جانبداری اور تعصب"[2] کے اقرار کے باوجود اس کا مترجم امید کرتا ہے کہ

"موجودہ کتاب ان کتابوں کے تکملہ کی حیثیت سے مفید ہوگی جو معاصر اسلام کی ذاتی ترجمانی کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جیسے عبداللہ علی القاسمی اور خالد محمد کی مؤلفات"[3]

---

[1] ایضاً، پیش لفظ از مترجم ص xi [2] ایضاً ص x-xi [3] ایضاً ص xi [4] ایضاً

اس طرح ایک طائفی لیڈر کی یہ "معصوم" آپ بیتی جو بنیادی طور پر ایک کہانی کی حیثیت سے لکھی گئی تھی، اور تاریخ میں جاری و ساری حقیقت کے بجائے اس کی بنیاد ان عوامل پر رکھی گئی تھی جو مؤلف کے ذہن و دماغ کی پیداوار تھے لیکن دانشورانہ چابکدستی سے اس کی اپیٹ میں سیاست تو سیاست دین اسلام بھی آگیا، اور وہ بھی مؤلف سیرت یا مترجم کا دین نہیں، بلکہ دین ایک مسلمان عرب ملک کی اکثریت کا دین۔ جی ہاں!

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

اس زمانہ کی ایک اور خود نوشت سوانح عمری، عربوں کی فکری زندگی کے تاریخ نگار احمد امین (۱۸۸۶ - ۱۹۵۴ء) کی ہے، جو انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں 'حیاتی' (میری زندگی) کے نام سے لکھی[۱]۔ اس لئے یہ ان کی زندگی کی تقریباً مکمل سرگذشت ہے۔ جس میں وہ ایک مورخ کی حیثیت سے اپنی زندگی کے اہم حادثات و واقعات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں، وہ موروثی اثرات کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی زندگی پر ماحول کے اثرات کو بھی نمایاں کرتے ہیں، فطری شرم و حیا کا پاس و لحاظ کرتے ہیں اور موجودہ زمانہ کے آزاد منش آپ بیتی نگاروں کی تقلید میں زندگی کی ہر اس "سچائی" کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے جس کا "کہنا اور سننا دونوں ناگوار ہو"[۲] خواہ ان کی یہ وضعداری، موجودہ زمانہ کے تنقید نگاروں کی نظر میں ان کی آپ بیتی کا عیب ہی کیوں نہ سمجھا جائے[۳] جو نفس امارہ کے سربستہ رازوں کو کھول کھول کر بیان کرنے ہی کو فن و ادب کی معراج سمجھتے ہیں۔ احمد امین کو ان کے والد کی طرف سے راسخ ایمان محنت شاقہ کی عادت اور سادہ زندگی کی دولت نصیب ہوئی، جس کی چھاپ ان کی علمی فکری اور ادبی زندگی پر تاحیات قائم رہی، ابتدائی مدارس اور ازہر کے قدیم طریقۂ

---

[۱] طبع اول قاہرہ ۱۹۵۰ء [۲] مقدمہ طبع اول ص ۴ از طبع دوم سلسلہ موسوعۃ احمد امین الدولیۃ دارالکتاب العربی، بیروت ۱۹۷۱ء مع پیش لفظ از ڈاکٹر عبدالعزیز عتیق
[۳] الترجمۃ الشخصیۃ ص ۱۲۱

تعلیم سے بے اطمینانی اور مدرسۃ القضاء الشرعی، اس کے اساتذہ اور جدید طریقۂ تعلیم سے مناسبت اور اطمینان کا اظہار معقول حد کے اندر انھوں نے بھی کیا ہے، انگریزی زبان کی تعلیم انھوں نے ایک انگریز استانی سے حاصل کی اور اس کی شخصیت سے بھی متاثر ہوئے، متعدد تعلیمی عہدوں اور قضائی مناصب پر فائز رہے، جس میں قاہرہ یونیورسٹی کی فیکلٹی آف آرٹس میں تدریس اور بعد میں اس کی ڈین شپ قابل ذکر ہیں، ان کی علمی ادبی سرگرمیوں میں تصنیف و تالیف اور تدریس کے علاوہ ادبی سوسائٹیوں سے تعاون، لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر کا قیام، ادبی جرائد و مجلات سے تعلق، آستانہ شام وعراق اور یورپ کے سفر وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔ ان کی آپ بیتی کے بین السطور بھی قدیم وجدید کی کشمکش پائی جاتی ہے، جو فطری ہے، ماحول و معاشرہ پر بالواسطہ تنقید بھی ہے، جو تعمیری ہے، ان کی پسند و ناپسند اور مناسبت کے پیمانے بھی ہیں جو عین انسانی مزاج کے مطابق ہیں، لیکن ان کے اظہار خیال اور انداز نگارش سے کہیں بھی نفرت، دشمنی یا بغاوت کی بو نہیں آتی جو سلامہ موسیٰ کی آپ بیتی کا خاصہ ہے۔ اور نہ ان کے ہاں وہ احساس شکست اور خود سپردگی کا عالم ہے، جو طٰہٰ حسین کی خود نوشت سوانح عمری پر چھایا ہوا ہے۔ اس طرح احمد امین کی ذاتی سیرت معتدل نقطۂ نظر کی حامل ایک یادگار آپ بیتی ہے جس میں مصر کے ساٹھ سالہ علمی، ادبی، فکری اور اجتماعی زندگی بھی سچائی، صاف گوئی اور بے مثال سادگی سے سمو دی گئی ہے، جو اس کتاب کا امتیازی وصف ہے۔


## مسلم خواتین کی دعوتی ذمہ داریاں

عورت کی جد وجہد کا میدان، میاں بیوی کا دینی معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون، یہ اس رسالہ کے بعض مباحث ہیں
مصنفہ: سید جلال الدین عمری

قیمت ۱٫۵۰ ملنے کا پتہ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۶